لغات و اعراب قرآن (۷۳)
پروفیسر حافظ احمد یار

سُورۃ البقرۃ

آیت ۸۳

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱، الاعراب کیلئے ۲، الرسم کیلئے ۳ اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھٰکذا۔

۲ : ۵۱ : ۲ الاعراب

زیر مطالعہ آیت کی اعرابی ترکیب کو آسانی سے سمجھنے کے لئے سات جملوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام جملے واوات العاطفہ، ثم العاطفہ اور ایک واو الحال کے ذریعے باہم مل کر بلحاظ مضمون ایک ہی مربوط طویل جملے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ذیل میں ان سات ممکنہ جملوں کے اعراب پر الگ الگ بات کی جاتی ہے اور پھر جس جملے کا جس بھی سابقہ یا مابعد جملے سے جو تعلق ہے وہ بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا جائے گا۔

① [وَاِذ اَخذنا میثاق بنی اسراءیل]

[وَ] مستانفہ اور [اِذْ] ظرفیہ ہے (یہ "وَاِذْ" والی ترکیب کئی دفعہ گزر چکی ہے) [اَخَذْنَا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر ہے جس میں ضمیر تعظیم "نَحْنُ" مستتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے

© rasailojaraid.com

[میثاق] فعل "اخذنا" کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "ق" کی فتحہ (ـَـ) ہے کیونکہ یہ (میثاق) آگے مضاف ہونے کی بناء پر خفیف بھی ہے۔ [بَنِی] مجرور بالاضافہ ہے (یعنی "میثاق" کا مضاف الیہ ہو کر) علامتِ جر اس میں آخری یاء ماقبل مکسور (ـِـ ی) ہے جو جمع مذکر سالم کا اعراب (برائے مجرور) ہے۔ یہ [بَنِی] آگے [اسراء یل کا] مضاف ہو کر خفیف بھی ہے (یہ دراصل "بنین" تھا، بوجہ اضافت آخری "ن" گر گیا ہے) اس کے بعد [اسراء یل] مضاف الیہ (لہٰذا) مجرور ہے، علامت جر اس میں آخری "ل" کی فتحہ (ـَـ) ہے۔ کیونکہ یہ عجمی (غیر عربی) عَلم ہے اس لئے غیر منصرف ہے۔

② [لاتعبدون الااللہ]

[لا] نافیہ ہے اور [تعبدون] فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جو بذریعہ "لا" مضارع منفی ہے (لاتعبدون) اس کے بعد [الا] حرف استثناء برائے حصر ہے (نفی کے بعد "اِلّا" اداۃ حصر کا کام دیتا ہے، یعنی یہ ایک محدود مفہوم پیدا کرتا ہے، یعنی "صرف" اور "محض" کے معنی دیتا ہے) [اللّٰہَ] یہاں "تعبدون" کے مفعول کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کی یہ نصب استثناء [الا] کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کلام منفی غیر تام ہے --- یا یوں سمجھئے کہ اگر ہم حرف نفی (لا) اور حرف استثناء (الا) دونوں نکال دیں تو باقی عبارت "تعبدون اللہَ" بچتی ہے جس میں "اللہ" مفعول بہ ہو کر ہی منصوب ہے۔

● یہ عبارت (جملہ نمبر۲) سابقہ (جملہ نمبر۱) کی تفسیر ہے یعنی "بیان میثاق" ہے۔ نحوی اعتبار سے یہاں ایک "اَن" (کہ) کا مفہوم موجود ہے۔ اس لئے اس جملے میں جو بظاہر خبریہ ہے "نہی" کا مفہوم ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بصورت فعل نہی (لاتعبدوا) کیا گیا ہے --- دیکھئے حصہ "اللغۃ" میں اس کے تراجم۔

③ وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتامی والمساکین

[وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے "بیان شرائط میثاق" کے پہلے حصے (لاتعبدون الااللہ) کو جو دراصل نہی (لا تعبدوا) کے مفہوم میں ہے واو عاطفہ کے ذریعے اگلے محذوف فعل امر "اَحْسِنُوا" (جس کا بیان ابھی ہو گا) سے ملا دیا گیا ہے (یعنی لا تعبدوا.... وَاحسنوا) کے مفہوم میں۔ [بالوالدین] جار مجرور (بِ + الوالدین) مل کر متعلق فعل مقدم ہے اور [احساناً] ایک محذوف فعل (مثلاً "اَحْسِنُوا") کا مفعول مطلق (مصدر) ہے اور اسی لئے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

منصوب ہے (اگر محذوف فعل امر کچھ اور سمجھیں مثلاً "اسْتَوْصُوا" "پوری توجہ دو" کا تو "احسانًا" کو مفعول بہ بھی کہا جا سکتا ہے' تاہم "اَحْسِنُوا" کے ساتھ مصدر یعنی مفعول مطلق سمجھنا زیادہ آسانی سے قابل فہم ہے)---- یوں دراصل اس عبارت کی مقدر (اور مفہوم) نثر یوں بنتی ہے "وَاَحْسِنُوا احسانًا بِالوالدین" (اور بھلائی کرو اچھی طرح بھلائی کرنا ماں باپ کے ساتھ) اور اس میں "بِالوَالدین" کی "باء (ب)" کو فعل (اَحْسِنوا) کا صلہ سمجھ کر "بِالوَالدین" کو مفعول بہ قرار دے کر محلاً منصوب بھی کہا جا سکتا ہے اور جار مجرور (بالوالدین) کی تقدیم (پہلے لانے) کی بناء پر اس میں تاکید اور خصوصی ذکر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے' جس کو اردو ترجمہ میں "اور خصوصاً والدین کے ساتھ" (بھلائی کرنا) سے ظاہر کیا جانا چاہئے' تاہم اکثر مترجمین نے جار مجرور کی تقدیم کے اس پہلو کو نظر انداز کیا ہے۔ [وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے [ذی القربی] کو [بالوالدین] پر عطف کیا گیا ہے' یعنی "احسنوا بالوالدین و (بِ) ذی القربیٰ" کا مفہوم ہے اور اس لئے یہ "ذی" بحالتِ جر آیا ہے۔ "القربیٰ" مجرور بالاضافہ ("ذی" کا مضاف الیہ ہو کر) ہے۔ "ذی" میں تو علامت جر "ی" ہے مگر "القربیٰ" کے اسم مقصور (الف مقصورہ پر ختم ہونے) کی بناء پر اس میں کوئی اعرابی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔

[وَالیتامٰی] میں بھی "و" برائے عطف ہے اور یہ بھی "بالوالدین" پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے--- "الیتامٰی" بھی اسم مقصور ہے لہٰذا اس میں کوئی ظاہرا علامتِ جر نہیں ہے۔

[وَالمساکین] کی "و" بھی عطف کے لئے ہے اور "المساکین" بھی "بالوالدین" کی "باء" کے اثر (عمل) سے مجرور ہے۔ "مساکین" ویسے غیر منصرف لفظ ہے مگر یہاں چونکہ معرف باللام ہو کر مجرور بھی ہے اس لئے اس میں علامتِ جر آخری "ن" کی کسرہ (ـِ) کی شکل میں موجود ہے۔ خیال رہے یہ لفظ (مساکین) جمع مکسر ہے اور اس میں اعرابی علامت آخری "ن" میں ہی ظاہر ہو گی۔ بظاہر دھوکا لگتا ہے کہ شاید یہ کوئی جمع مذکر سالم ہے یعنی یہ لفظ "مساکون / مساکین" نہیں ہے۔ البتہ "مسکین" کی جمع مذکر سالم "مسکینون / مسکینین بھی عربی میں استعمال ہوتی ہے۔ (قرآن کریم میں اس کی صرف جمع مکسر ہی استعمال ہوئی ہے)۔ حرف عطف کی بار بار تکرار کی بناء پر ہی بامحاورہ اردو ترجمے میں مندرجہ بالا کلمات (ذِی القربٰی / والیتامٰی / وَالمساکین) کے تراجم میں "بھی" کا اضافہ کرنا پڑتا ہے (دیکھئے اس عبارت کے تراجم حصہ "اللّغۃ" میں)

۳ [وقولوا للنّاسِ حُسنًا]

© rasailojaraid.com

[وَ] عاطفہ ہے جو مابعد جملے کو ماقبل جملے سے ملاتی ہے یا یوں کہئے کہ اس کے ذریعے اگلے صیغہ امر [قُولُوا] کو سابقہ محذوف صیغہ امر (احسنوا) پر عطف کیا گیا ہے یا اس سے پہلے "قلنا لھم" محذوف سمجھ لیں یعنی یہ دراصل "وقلنا لھم قولوا..." بنتا ہے۔ [للناس] میں ابتدائی "لام" (ل) فعل (قال ' جس کا صیغہ امر یہاں آیا ہے) کا صلہ ہے جو مفعول اول (جس سے بات کی جائے) سے پہلے آتا ہے اور یوں یہ جار مجرور (للناس) محلاً نصب میں ہے یا اس جار مجرور کو متعلق فعل (قالوا) بھی کہہ سکتے ہیں۔ [حُسْنًا] فعل [قُولوا] کا دوسرا مفعول (جو بات کہی جائے) ہے لہٰذا منصوب ہے ' مگر یہ اسم صفت نہیں ہے۔ اگر یہ "حَسَنًا" ہوتا (جیسا کہ بعض قراءات میں ہے) تو اسے ایک محذوف مفعول مطلق کی صفت سمجھا جاسکتا تھا یعنی [قَولًا حَسَنًا] (اچھی بات) مگر قراءتِ حفص (جو ہمارے ہاں رائج ہے اور ہم اسی کے مطابق اعراب بیان کر رہے ہیں) میں یہ "حُسْنًا" ہے ' جس کا ترجمہ "خوبصورتی یا اچھائی" ہی ہو سکتا ہے ' اس لئے یہاں محذوف مفعول مطلق "قولًا" کی صفت بننے کے لئے اس "حُسْنًا" کو "ذَا حُسْنٍ" کے معنوں میں لینا پڑتا ہے ' یعنی "کہو لوگوں سے" "قَولًا ذَا حُسْنٍ" (خوبی / اچھائی / خوبصورتی والی بات)۔ مفہوم و معنی اس کا بھی وہی "قَولًا حَسَنًا" (اچھی بات) والا ہی ہے --- مگر بلحاظ ترکیب مختلف ہے۔

⑤ وَاقیموا الصلٰوۃ وآتوا الزکوۃ

[وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے آگے آنے والے فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر [اقیمُوا] کو سابقہ فعل امر (قُولُوا) پر عطف کیا گیا ہے یا "وَ" کے مابعد جملے (اقیموا الصلٰوۃ) کو سابقہ جملے (قُولُوا للناس حُسنًا) پر عطف کیا گیا ہے۔ [الصلٰوۃَ] فعل "اقیمُوا" کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب ہے ' علامتِ نصب آخری "ۃ" کی فتحہ (ـَ) ہے۔ اس کے بعد پھر [وَ] برائے عطف ہے جو یہاں دو جملوں کو ملا رہی ہے۔ [آتُوا] بھی فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور [الزکٰوۃَ] اس کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب ہے۔ گویا یہ دراصل دو مستقل جملے ہیں --- مگر باہم ایک دوسرے پر معطوف ہونے کے علاوہ ابتدائی "واو العطف" کے ذریعے سابقہ جملوں (نمبر ۳ و نمبر ۴) پر عطف ہونے کے باعث ایک ہی جملے کے حکم میں (بلحاظ تسلسل مضمون) آئے ہیں۔ یعنی جس "میثاق" لینے کا ذکر شروع آیت میں تھا ' یہاں (جملہ نمبر ۵) تک اس میثاق کی شرائط کا بیان ختم ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) لگائی جاتی ہے۔

⑥ ثم تولّیتم الّا قلیلًا منکم

[ثُمَّ] حرف عطف ہے جس میں ترتیب اور تراخی (یعنی "پھر کچھ عرصہ بعد یہ ہوا کہ") کا مفہوم

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے اور نحوی اعتبار سے یہاں "ثُمَّ" ایک محذوف عبارت پر عطف ہے۔ گویا اخذِ میثاق اور شرائطِ میثاق کے ذکر کے بعد تقدیر (مفہوم) عبارت یوں بنتی ہے "فَقَبِلتم المیثاقَ" (تم نے وہ میثاق قبول کیا) "ثُمَّ..... (پھر یہ ہوا کہ) [تَوَلَّيْتُمْ] فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے (تم روگردانی کر گئے۔ پھر گئے) [اِلَّا] حرف استثناء (بمعنی مگر/سوا) ہے اور [قلیلًا] مستثنیٰ "بِاِلَّا" ہے۔ اور چونکہ اس سے پہلے کلام مثبت تام (نفی کے بغیر مکمل جملہ) ہے اس لئے یہ مستثنیٰ متصل ہو کر منصوب ہے۔ ویسے چونکہ "قلیل" اسم صفت ہے اس لئے یہاں ایک موصوف محذوف ہے یعنی "نفرًا قلیلًا" یا "عددًا قلیلًا"۔ [منکم] جار مجرور (مِن + کم) "قلیلًا" کا بیان (وضاحت) ہے یعنی "تم میں سے کم/تھوڑے"۔ اس جملے کے مختلف تراجم حصہ "اللّغۃ" میں گزر چکے ہیں۔

⑦ وانتم معرضون

[وَ] یہاں حالیہ ہے اور [انتم] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے [مُعرِضُون] خبر (لہٰذا) مرفوع ہے علامتِ رفع آخری نون (اعرابی) سے پہلے والی "واو" ما قبل مضموم (ـُـو) ہے جو جمع مذکر سالم میں علامت رفع ہوتی ہے۔ اس طرح یہ جملہ حالیہ ہو کر محل نصب میں ہے اور یہ حال مؤکدہ (یعنی صرف تاکید کے لئے) ہے اور یہ "تولیتم" کی ضمیر فاعلین کا حال ہے۔ یعنی تم پھر گئے اور "تمہارا تو حال ہی یہ ہے کہ پھر جانے والے ہو" کا مفہوم رکھتا ہے اور بعض نحوی "تولیتم" کی ضمیر فاعلین "آباؤھم" (ان کے باپ دادا) کے لئے اور "انتم" کو "انفسھم" (یعنی خود ان کے) لئے سمجھتے ہیں۔ یعنی تمہارے باپ دادا پھر گئے اور تمہاری عادت بھی روگردانی کی ہے"۔ بنی اسرائیل کے بیان میں بہت جگہ ضمیر مخاطب (کُمْ یا اَنْتُمْ) "آباءَ کم یا آباؤُکم" کے لئے آئی ہے، مثلاً البقرۃ:۴۹ میں "وَاذ نَجَّینا کم" میں مراد "تمہارے بڑوں کو" ہی ہے۔

بہرحال یہ (زیر مطالعہ) جملہ حال ہونے کی وجہ سے دراصل سابقہ جملے (نمبر۶) کا ہی ایک حصہ بنتا ہے۔

۲ : ۵۱ : ۳ الرسم

زیر مطالعہ آیت کے کلمات میں سے بلحاظ رسم آٹھ کلمات توجہ طلب ہیں۔ ان میں سے چار (الیتمٰی، المسٰکین، الصلٰوۃ اور الزکٰوۃ) کا رسم قرآنی (عثمانی) متفق علیہ ہے اور چار کلمات (میثاق، اسراءیل، بالوالدین اور احسانًا) کا رسم عثمانی مختلف فیہ ہے۔ ہر ایک کلمہ کی تفصیل (آیت میں ترتیب کے مطابق) یوں ہے :

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

① ”میثاق“ : یہ لفظ جو قرآن کریم میں مفرد مرکب معرفہ نکرہ صورتوں میں ۲۵ جگہ آیا ہے، ہر جگہ الدانی کے مطابق رسم املائی کی طرح ”باثبات الالف بعد الثاء“ لکھا جاتا ہے جبکہ ابوداوٗد کی طرف منسوب قول کے مطابق یہ ”بحذف الالف بعد الثاء“ یعنی بصورت ”میثق“ لکھا جاتا ہے۔ برصغیر، لیبیا اور دوسرے عرب و افریقی ممالک کے مصاحف میں اس کے رسم میں اختلاف کی یہی وجہ ہے۔ نیز دیکھئے البقرۃ : ۲۷ [۲:۱۹:۳] میں۔

② ”اسراءیل“ جس کا عام رسم املائی ”اسرائیل“ ہے۔ اس لفظ کے رسم املائی اور رسم عثمانی (قرآنی) میں ایک فرق تو متفق علیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنی رسم میں ”ئیل“ کو ”ءیل“ لکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصاحف عثمانی میں ہمزہ نہیں لکھا گیا تھا بلکہ صرف ”یل“ لکھا گیا تھا، بعد میں جب ہمزہ کی علامت (ء) اور اس کی املاء کے قواعد بنے تو رسم قرآنی میں ایک دندانہ کا اضافہ بھی [illegible] مختلف فیہ ہے کہ ”الدانی“ کے مطابق یہ لفظ ”اسراءیل“ یعنی ”باثبات الالف بعد الراء“ لکھا جاتا ہے مگر ابوداوٗد کے مطابق یہ الف (بعد الراء) کتابت میں حذف کر کے لفظ بصورت ”اسرءیل“ لکھا جاتا ہے (پھر بذریعہ ضبط اس الف کو ظاہر کیا جاتا ہے)۔ تاہم اس ”الف بعد الراء“ کے اثبات کے حق میں زیادہ دلائل ہیں {۲}۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ تمام مشرقی ممالک (برصغیر، ایران، ترکی وغیرہ) کے علاوہ افریقی ممالک مثلاً تیونس، لیبیا، مراکش، غانا اور نائیجیریا کے مصاحف میں بھی باثبات الف ”اسراءیل“ ہی لکھا جاتا ہے۔ غالباً صرف مصر اور شام کے مصاحف میں (اور سعودی مصحف تو دراصل شامی مصحف ہی ہے) اسے بحذفِ الف (بعد الراء) لکھا گیا ہے۔ نیز دیکھئے البقرۃ: ۴۰ کے ضمن میں بحث الرسم [۲:۲۸:۳] میں اس لفظ پر بحث۔

③ ”بالوالدین“: قرآن کریم میں لفظ ”والد“ (واحد مذکر) مفرد یا مرکب (مضاف ہو کر مثلاً ”والدہٖ“) صورتوں میں کل تین جگہ آیا ہے اور اس کا تثنیہ مرفوع ”الوالدان“ بھی تین دفعہ آیا ہے اور اس کا تثنیہ مجرور مرکب (مضاف ہو کر مثلاً بوالدَیکَ، بوالدَیہِ، لوالدَیہ اور والدَیَّ کی شکل میں) دس جگہ آیا ہے اور اس کا تثنیہ مجرور بغیر اضافت (بالوالدین، للوالدین وغیرہ کی شکل میں) سات جگہ آیا ہے۔ لفظ ”والدۃ“ (واحد مؤنث) مفرد ایک جگہ اور مرکب (مضاف ہو کر) یعنی بصورت ”والدتک اور والدتی“ دو جگہ آیا ہے اور بصورت جمع مؤنث سالم (الوالدات) بھی صرف ایک جگہ آیا ہے۔

{۲} اختلاف اور دلائل کے لئے دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۲۲۔ دلیل الحیران (للمارغنی) ص ۷۵۔۷۷ اور نثر المرجان (للارکاٹی) ۱:۳۰

© rasailojaraid.c

● ان تمام کلمات (جن کو ہم نے یہاں فرق سمجھانے کے لئے رسم املائی میں لکھا ہے) کے رسم قرآنی کے بارے میں بعض باتیں متفق علیہ اور بعض مختلف فیہ ہیں۔ مثلاً :

① اس پر اتفاق ہے کہ لفظ "والد" (واحد مذکر) ہمیشہ "باثبات الالف بعد الواو" (یعنی رسم املائی کی طرح) لکھا جائے گا۔ یہ بات الدانی کے سکوت سے (کہ اس نے اس الف کے حذف کی بات نہیں کی) اور ابوداؤد سلیمان بن نجاح کی تصریح سے ثابت ہے {۳} (کہ یہ الف برقرار رہے گا)

② "والدان" (تثنیہ مرفوع) کا "الف بعد الدال" (جو علامتِ رفع ہے) کتابت میں محذوف ہو گا یعنی نہیں لکھا جائے گا۔ اس پر الدانی اور ابوداؤد کا اتفاق ہے {۴}۔ اور

③ اس پر بھی اتفاق ہے کہ جمع مونث سالم کے تمام ایسے صیغے جن میں دو الف آتے ہیں (اور "الوالدات" بھی ایسا ہی صیغہ ہے) ان میں دونوں الف کتابت میں محذوف کر دیئے جاتے ہیں {۵}

© rasailojaraid.c

● اور ان کلمات کے رسم میں مختلف فیہ امور حسب ذیل ہیں۔

① لفظ "والدة" (واحد مؤنث) ہمیشہ بحذف الف بعد الواو لکھا جائے گا۔ یہ قول ابوداؤد کا ہے {٦} الدانی نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جو اثباتِ الف کو مستلزم ہے۔ چنانچہ بعض اسے بحذفِ الف اور بعض باثباتِ الف لکھتے ہیں۔

② اس لفظ (والد) کے تثنیہ کی تمام صورتوں میں (مفرد آئے یا مرکب) یعنی بالوالدین، والدیہ، والدیک وغیرہ میں ابتدائی الف بعد الواو بھی کتابت میں محذوف ہو گا۔ یہ قول بھی صرف ابوداؤد کا ہے۔ {۷} یہاں بھی "الدانی" کا سکوت اثبات الف کو مستلزم ہے۔

● مندرجہ بالا تصریحات کی بناء پر ان کلمات کے رسم قرآنی میں اختلاف ہوا ہے ---- ان کلمات کے الگ الگ رسم پر تو اپنی اپنی جگہ وضاحت ہو گی، یہاں ہم ان اصولوں (متفق یا مختلف) کی روشنی میں زیر مطالعہ لفظ "بالوالدین" (اور اس سے ملتی جلتی صورتوں مثلاً للوالدین یا اوالوالدین)

{۳} دیکھئے دلیل الحیران شرح مورد الظمآن للخراز ص ۸٦ ۔ نیز سمیر الطالبین (للضباع) ص ٦١

{۴} دیکھئے دلیل الحیران ص ۸۹ ۔ والمقنع (للدانی) ص ١٧ اور نثر المرجان ١:١٣١

{۵} دیکھئے المقنع ص ۲۳ اور دلیل الحیران ص ۵۲

{٦} دیکھئے دلیل الحیران ص ۸٦ اور سمیر الطالبین ص ٦١

{۷} ابوداؤد کا یہ قول سمیر الطالبین (للضباع) ص ٦١ میں منقول ہوا ہے۔

© rasailojaraid.c

کے رسم کی بات کرتے ہیں۔ اس کے رسم میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ ابوداؤد کے قول پر عمل کرنے والے ممالک (مثلاً مصر' شام' نائیجریا' تیونس' مراکش' غانا' وغیرہ) میں تو اسے بحذف الف بعد الواو یعنی بصورت "بالولدین" لکھا جاتا ہے جب کہ الدانی کی عدم تصریح (یا سکوت) کے باعث (یا واحد "والد" پر قیاس کرتے ہوئے) لیبیا اور ایشیائی ممالک (برصغیر وغیرہ) میں اسے باثبات الف (بصورت "بالوالدین") لکھا جاتا ہے۔

④ "اِحسانًا": اس لفظ کے رسم (ہجاء) کے متعلق الدانی یا ابوداؤد میں سے کسی نے بھی کسی حذف کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے برصغیر کے علاوہ مصر' شام' لیبیا اور نائیجریا کے مصاحف میں یہ اسی طرح (احسانًا) لکھا جاتا ہے' تاہم علم الرسم کے ایک اور عالم علی بن محمد المرادی البلنسی نے اپنی کتاب "المنصف" میں (جو اب تک کہیں طبع بھی نہیں ہوئی) اس "الف بعد السین" کے حذف کا ذکر کیا ہے اور اس کے اتباع میں بہت سے افریقی ممالک (مثلاً تیونس' مراکش اور غانا) میں اسے بحذف الالف بعد السین یعنی بصورت "اِحسنًا" لکھنے کا رواج ہے۔ صاحب نثر المرجان نے اس الف کے حذف کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ اس لفظ میں پے در پے تین "الف" جمع ہو گئے ہیں' اس "اجتماعِ اَمثال" کو ناپسند کرتے ہوئے ایک الف محذوف کرنا پڑا اور ابتدائی اور آخری تو حذف نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا درمیانی الف کو کتابت میں حذف کر دیا گیا{۸}۔

⑤ "الیتٰمٰی" (جو "یتیم" کی جمع ہے اور جس کا املائی رسم "الیتامیٰ" ہے)۔ قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ ۱۴ جگہ آیا ہے) "بحذف الالف بعد التاء" لکھا جاتا ہے۔ اور رسم عثمانی اور رسم املائی ہر دو میں اس کا آخری الف (مقصورہ) بصورت "ی" ہی لکھا جاتا ہے۔ اس کا عثمانی رسم "الیتمی" ہے۔

⑥ "المسکین" (جس کا عام رسم املائی "المساکین" ہے) یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ قرآن کریم میں ۱۲ جگہ آیا ہے) "بحذف الالف بعد السین" (یعنی واحد "مسکین" کی طرح) لکھا جاتا ہے اور پھر بذریعہ ضبط اس الف کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

⑦ "الصلوٰۃ" : ان آٹھ الفاظ میں سے ہے جن کے قرآنی رسم میں الف کو بصورت "و" لکھا جاتا ہے (یہ الفاظ الصلوٰۃ' الزکوٰۃ' الحیوٰۃ' منوٰۃ' النجوٰۃ' الغدوٰۃ' مشکوٰۃ' اور الربوٰ ہیں) البتہ اگر یہ کسی ضمیر کی طرف مضاف ہوں تو پھر الف کے ساتھ ہی لکھے جاتے ہیں جیسے صلاتھم' حیاتکم میں ہے۔ ان میں سے بعض کے بارے میں کچھ استثناء بھی ہیں جن کا

{۸} دیکھئے سمیر الطالبین (للضباع) ص ۴۹ اور نثر المرجان ۱: ۱۷۵

© rasailojaraid

بیان اپنی جگہ ہو گا۔ نیز دیکھئے البقرۃ : ۳ [۳:۲:۲] میں۔

⑧ "الزکوۃ": یہاں اور ہر جگہ "ک" کے بعد الف کی بجائے "و" سے لکھا جاتا ہے، پھر بذریعہ ضبط "و" کو "الف" کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

۲ : ۵۱ : ۴ الضبط

وَاِذْ،اِذْ / اَخَذْنَا،اَخَذْنَا،اَخَذْنَا / مِيْثَاقَ،مِيْثَاقَ،مِيْثٰقَ
/ بَنِيْ،بَنِيْ،بَنِيْ / اِسْرَاءِيْلَ،اِسْرَاءِيْلَ،اِسْرٰءِيْلَ / لَا
تَعْبُدُوْنَ،لَا تَعْبُدُوْنَ،لَا تَعْبُدُوْنَ / اِلَّا اللّٰهَ،اللّٰهَ،اللّٰهَ /
وَ بِالْوَالِدَيْنِ، بِالْوٰلِدَيْنِ، بِالْوٰلِدَيْنِ / اِحْسَانًا،
اِحْسَانًا،اِحْسٰنًا / وَذِي الْقُرْبٰى، ذِي الْقُرْبٰى /
وَالْيَتٰمٰى، الْيَتٰمٰى، الْيَتٰمٰى / وَالْمَسٰكِيْنَ،
الْمَسٰكِيْنَ، الْمَسٰكِيْنَ / وَقُوْلُوْا، قُوْلُوْا، قُوْلُوْا /
لِلنَّاسِ، لِلنَّاسِ / حُسْنًا، حُسْنًا / وَاَقِيْمُوْا، اَقِيْمُوْا،
اَقِيْمُوْا / الصَّلٰوةَ، الصَّلٰوةَ، الصَّلٰوةَ / وَاٰتُوا، ءَاتُوْا،
ءَاتُوْا / الزَّكٰوةَ، الزَّكٰوةَ، الزَّكٰوةَ / ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ، تَوَلَّيْتُمْ
/ اِلَّا، اِلَّا، اِلَّا / قَلِيْلًا، قَلِيْلًا، قَلِيْلًا / مِّنْكُمْ، مِّنْكُمْ،
مِّنْكُمْ / وَاَنْتُمْ، اَنْتُمْ / اَنْتُمْ / مُّعْرِضُوْنَ، مُّعْرِضُوْنَ،
مُّعْرِضُوْنَ

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

بقیہ : روداد اجلاس

مارچ ۱۹۹۶ء تک ارسال کر دیں۔ یہ بھی لکھ دیا گیا کہ اس تاریخ کے بعد آنے والی تجاویز اور نامکمل قرطاس تجاویز قابل قبول نہیں ہوں گے۔

مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ تینوں حلقوں میں سے مکمل تجاویز صرف اس قدر آئی ہیں کہ جتنی نشستیں خالی ہوئی ہیں' اس طرح انتخاب کرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ نتیجتاً مندرجہ ذیل مجوز حضرات بلامقابلہ کامیاب ہو گئے ہیں۔

حلقہ نمبرا میں

۱ - جناب حافظ عاکف سعید صاحب
۲ - جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب
۳ - جناب وقار احمد صاحب
۴ - جناب قمر سعید قریشی صاحب
۵ - جناب چوہدری شہباز الدین صاحب
۶ - جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب
۷ - محمد بشیر ملک (جو ویسے بھی از روئے دستور بطور ناظم انتخاب مجلس شوریٰ کے بلا انتخاب ممبر شمار ہوتے ہیں)

حلقہ نمبر۲ مستقل ارکان میں سے

۱ - جناب احسن الدین صاحب
۲ - جناب ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب

اور حلقہ نمبر۳ عام ارکان میں سے

۱ - جناب رحمت اللہ بٹر صاحب
۲ - جناب غازی محمد وقاص صاحب
۳ - جناب الطاف حسین صاحب
۴ - جناب چوہدری محمد اسحاق صاحب

حضرات! یہ ہے تفصیلی داستان انتخاب جو میں نے پیش کر دی ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"

یوں انتخاب کے عملی انعقاد کی نوبت نہیں آئی اور یہ مرحلہ بحسن وخوبی طے ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی انجمن کا یہ چوبیسواں سالانہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ آخر میں شرکاء اجلاس کی تواضع عشائیے سے کی گئی۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

Church dogma. The Gospel of Barnabas was among the books that were banned in 325 C.E by the Nicean Council; it was forbidden by the Decree of the Western Churches in 382 C.E; it was again banned by Pope Innocent in 465 C.E, and then by the Glasian Decree in 496 C.E. To this day, Christian authorities refuse to accept the Gospel of Barnabas as authentic, despite striking similarities between this Gospel and the documents discovered in 1947 in the caves of Qumran, popularly called as the Dead Sea Scrolls. This is because the Gospel of Barnabas proclaims absolute Divine Unity, criticizes the pagan innovations of St. Paul, declares the truth about the myth of Crucifixion, and, above all, contains unambiguous prophecies regarding the advent of Prophet Mohammad (Peace be upon him), all of which is enough to destroy the very foundations of the Christian faith as it exists today. However, any unbiased comparative study of the New Testament, the Dead Sea Scrolls, and the Gospel of Barnabas is bound to reveal that this gospel is the correct and genuine account of the life and teachings of Prophet Jesus (Peace be upon him), the flimsy doubts being created by the Christians notwithstanding.

© rasailojaraid.

To be continued

بقیہ : امام مسلم بن حجاج

(۱۳) عبدالرشید نعمانی، ماتمس الیہ الحاجہ، ص۳۶۔ (۱۴) طاہرالجزائری، توجیہ النظر، ص۱۸۵۔

(۱۵) ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج۲، ص۱۲۷۔ (۱۶) شبیراحمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ص۱۰۰۔

(۱۷) امام مسلم، صحیح مسلم باب التشہد۔ (۱۸) نووی، مقدمہ نووی۔

(۱۹) شبیراحمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ص۹ (۲۰) نووی، مقدمہ نووی، ص۱۳۔

(۲۱) شبیراحمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ص۹۶۔ (۲۲) صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، ص۴۸

(۲۳) شبیراحمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ص۹۹۔ (۲۴) عبدالسلام مبارکپوری، سیرت البخاری، ص۲۱۴

(۲۵) عبدالسلام مبارکپوری۔ سیرت البخاری، ص۲۱۵ (۲۶) ضیاالدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ج۲، ص۴۳۹۔

(۲۷) صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، ص۵۰۔

© rasailojaraid.

revived: the Christ then met with his disciples, and, after giving them some instructions, ascended into the heaven.

On the other hand, the Holy Qur'an strongly rejects the idea of Jesus having been crucified, and according to the most authentic traditions of Prophet Mohammad (Peace be upon him), Jesus Christ was saved from such an accursed and humiliating death by direct Divine intervention, and raised up alive into the heavens. It has also been unequivocally explained in A'hadith that Jesus will reappear on earth to live out the rest of his life and to fulfill his Divinely ordained mission, and then he will die like any other mortal.

The only void left in this Islamic tradition, however, concerns the "when" and "where" of Jesus' ascension, and the question regarding "who" actually got crucified in his place. This vacuum can be satisfactorily filled with the help of the narration in the "Gospel of Barnabas" according to which, when the traitor Judas Iscariot came ahead of the Roman soldiers and entered the garden where Jesus Christ was hiding, Almighty God caused his face and voice to be changed so that he looked and talked exactly like Jesus, while in the meantime the prophet himself was raised up into the heavens. Thus it was the traitor who was crucified, and Jesus Christ (Peace be upon him) was miraculously saved by Almighty God.

It may be pointed out here that, unlike Barnabas who was a close disciple and companion of Prophet Jesus, none of the writers of the four so-called authentic gospels — i.e., Matthew, Mark, Luke, or John — ever met with the prophet himself. These gospels were written between 70 C.E and 115 C.E. but their earliest available manuscripts date back to the fourth century C.E, making their authenticity rather dubious. Throughout the early period of Christianity, a number of different gospels were in circulation, the manuscripts of which were freely altered and amended by the copyists in order to suit the doctrines of their particular sect. The four gospels that are included in the New Testament were accepted as genuine by the Church — and the rest were rejected as apocryphal, and their possession prohibited — not on the basis of authenticity, but only because these four books were in conformity with the official

© rasailojara
© rasailojara
© rasailojara